سائنسی حقائق — ایک فلسفیانہ توجیہ

ڈاکٹر آصف اقبال خان

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

(اقبال ــــ ضربِ کلیم)

ایک فلسفیانہ توجیہ

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترویج و اشاعت اور بالادستی کو دیکھتے ہوئے بلاشبہ عصرِ حاضر کو سائنسی دور کہا جا سکتا ہے علمی حلقوں میں بالخصوص اور عام لوگوں کے لیے بالعموم اس کی عالمگیر ترویج اور متنوع عملی فوائد نے اسے انسانی زندگی کے لیے ناگزیر بنا دیا ہے۔ اب سائنس کے بغیر انسانی وجود کا تصور بھی محال نظر آتا ہے۔ سائنسی ایجادات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی سہولتوں اور فطرت کی قوتوں پر نوعِ انسانی کی فتوحات نے سائنس کو دورِ جدید کی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بنانے میں خاص کردار ادا کیا ہے حتیٰ کہ اب علمی سطح پر بھی سائنسی طریقِ کار اور تجربیت کو ایک واضح برتری حاصل ہے۔

سائنسی نظریہ کی فراواں روائی کے علمبردار عموماً یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تجربی سائنس کے نتیجے میں دریافت شدہ حقائق فلسفہ اور مذہب کے "مفروضہ" حقائق کے مقابلے میں زیادہ عمیق اور راسخ ہوتے ہیں۔ ایک منظم و مربوط تجربی سائنس فی نفسہٖ انسانی قوتِ مدرکہ کے ارفع ترین نتائج کی حامل ہوتی ہے اور اس لحاظ سے اسے "علم" کے سب سے معتبر دعویدار کا مرتبہ حاصل ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود عصرِ جدید کے انسانی معاشرے میں آج سائنس کو جو مقام تفویض کیا گیا ہے، اس کا دارومدار متعدد بنیادی سوالوں کے تسلی بخش اور قابلِ قبول جوابات کا متقاضی ہے۔ درجِ ذیل سوالات اس لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں کہ یہ ہمیں سائنسی حقیقت کی تہ تک پہنچنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں:

۱۔ سائنسی فکر کی عقلی بنیادیں کیا ہیں؟

۲۔ اسے قیاس آرائی اور غیر یقینی علم سے کس طرح ممیّز کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ وہ کیا عناصر ہیں، جو اس کی پیش بینی اور تعمیم کو مستند اور معتبر بنا دیتے ہیں؟
۴۔ کیا سائنسی تصورات و نظریات کسی پوشیدہ معروضی حقیقت کو آشکار کرنے کی استعداد رکھتے ہیں؟
ان سوالات کا منطقی اور مدلل جواب ہی سائنسی علم کی ماہیت کے علاوہ اس بنیادی مفروضے کی حیثیت کی طرف بھی ہماری رہنمائی کرے گا کہ کیا واقعی سائنسی علم سراسر مبنی بر حقیقت ہے۔

بلاشبہ، دورِ حاضر کی تحقیق نے ماضی کے سائنسی حقائق کو غلط ثابت کیا ہے۔ تجربے کا یہ تسلسل بھی اس صداقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مستقبل کا سائنسی ارتقا حالیہ دور کی سائنسی تحقیق کو مسترد کر دے گا۔ چنانچہ سائنس سے یہ توقع عبث ہوگی کہ یہ کسی مستند حقیقت کا صحیح علم فراہم کر سکے۔

اگر ہم پریسلے Priestley اور پی ارس Peirce کے اس نقطۂ نظر سے اتفاق بھی کر لیں کہ سائنس کا بتدریج اقتراب کا طریق Method of approximation اسے حقیقت سے قریب تر لے آتا ہے تو یہ اس دعویٰ پہ دلالت نہیں کرتا کہ صحیح نتائج حاصل کرنے کا کوئی خودکار منہاجی دستور العمل وضع کر لیا گیا ہے۔ سائنسی حقائق کی سچائی پہ یقین اس وقت تک عقلی بنیادوں سے محروم رہے گا جب تک کہ خود "حقیقت" کے تصور کو کوئی مختلف معانی نہ پہنا دیے جائیں۔

ہیوم Hume کی فلسفیانہ روایت میں عصرِ حاضر کے فلسفۂ سائنس نے تجزیاتی شہادت کے من جملہ ثبوت کو حقیقتِ راسخ کی بنیاد کے طور پر اصول ناکافی قرار دیا ہے۔ اس تناظر میں، سائنسی حقیقت کو لازماً ایک ایسی امکانی ہیئت اختیار کرنے پہ مجبور ہونا پڑے گا جس کی سچائی کا امکان مستقبل میں بتدریج بڑھتا رہتا ہے لیکن اس نظریہ Probability کی کوئی بھی معروضی یا موضوعی توجیہہ (جیسی کہ کارنپ، پوپر، پی ارس وغیرہ نے کی) اس امکان کی ماہیت کے بنیادی مسئلہ کا حل پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ اسی طرح مل J.S. Mill کا یہ نظریہ کہ سائنس اغلاط سے اجتناب اور گریز کے ذریعے سے رفتہ رفتہ غیر حقیقی سے دور ہوتے ہوتے حقیقت تک پہنچ جاتی ہے، در خورِ اعتنا نہیں۔ کیونکہ کسی بھی سائنسی عمل میں لامتناہی اغلاط کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ کسی بھی سائنسی دعوے اور حقیقت کے درمیان بلاواسطہ تعلق ثابت نہیں ہوتا۔

حقیقتِ کامل کی تلاش میں سائنسی ارتقا کا یہ تصور اگر درست ہے تو بالواسطہ طور پر بھی کسی سائنسی یا علمی ترقی کی کوئی معقول بنیاد باقی نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر ہم پاسکل Pascal کی طرح سائنس کے دعوے حقیقت کے نفسِ مضمون کی بجائے اس کے تحقیقی طریق کار کو موضوعِ بحث بنا سکتے ہیں لیکن سائنس کا تحقیقی دستور العمل، جس کا تمام تر انحصار مستقل اور مستزاد دریافت شدہ معلومات پہ ہو، زیادہ سے زیادہ اور وافر اعداد و شمار پہ مبنی نتائج تو مہیا کر سکتا ہے، لیکن انہیں زیادہ صحیح یا حقیقی نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے تحقیقی طرزِ عمل کی داخلی خوبیاں مثلاً ربط و ضبط،

ترتیب اور وسعت وغیرہ اظہرمن الشمس ہیں لیکن دعوئ حقیقت کے لیے صریحاً ناکافی ہیں۔ اسی طرح خارجی اور معروضی نتائجی فاعلیت Pragmatic efficacy کے عملی مظاہر مثلاً ماحول پر اختیار اور مسائل کے حل کی جستجو کی اطلاقی سمت کا تعین ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سائنسی حقیقت کے تیقن کے لیے سائنس کے عملی اور نظری پہلوؤں میں ایک مثالی مطابقت شرط ہے لیکن یہاں ہم واپس اس غیر حل شدہ مسئلہ کی طرف لوٹ آتے ہیں جہاں عملی میدان میں بھی سائنس کا نقطۂ نگاہ وقت کے ساتھ ساتھ مسلسل تغیر پذیر رہتا ہے۔

سائنسی حقائق کی تصدیق کے لیے نام نہاد سائنسی خود انتظامی کا سہارا بھی لیا جاتا ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ سائنسی تحقیق و دریافت کی جانچ پڑتال کا پورا نظام خود سائنسی عمل کے اندر سے نمودار ہو اور اس پر کسی قسم کا بیرونی ضبط و اختیار لاگو نہ ہوتا ہو لیکن اگر منہاجی سطح کی فعالیت Methodological effecacy کی پرکھ کے لیے کسوٹی بہرحال خود سائنسی دائرہ کار ہی سے لی جاتی ہے تو بتدریج حاصل کردہ نتائج بھی نہ تو حتمی طور پر اور نہ امکانی لحاظ سے کسی اعلیٰ درجہ کی حقیقت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس یہ طریق کار تجرباتی سطح پر قابلِ ثبوت حقیقت کو قابلِ قبول سمجھنے کی بجائے کافی اور وافر دریافت شدہ مواد کو بنیاد بنا کر قیاسی نتائج کے حصول کو اپنا مطمح نظر بنا لیتا ہے۔ اگر نتائج کی صحت و سچائی کو تحقیقی میکانیہ Inquiry Mechanism کے پیمانے پر ہی جانچا جاتا ہے تو بلا شبہ ہم کسی منطقی مغالطے کا شکار ہیں جس میں ایک طرف تو ہم طریقہ کار کی درستی کا پیمانہ اسی کی حقیقت تک رہنمائی کر سکنے کی استعداد کو بنا رہے ہیں اور دوسری جانب اس طریق کار کو خود اس کی اپنی دریافتوں کی سچائی کے لیے کسوٹی کا درجہ دے رہے ہیں اور یہ مدوّر سوچ Circullar thinking ہمارے کسی درست نتیجے پر پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ عقلی سطح پر یہ کہنا غلط ہوگا کہ سائنسی منہاج Scientific Method کی برتری کا راز اس کے انکشافات کی حقیقت اور سچائی میں مضمر ہے۔ اس کے برعکس منطقی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ طریق کار کی عمدگی 'اضافی حقیقت' Relative truth کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں ہونا چاہیے کہ محض خود اختیاری اور خود انتظامی کی سائنسی روش اس کے لیے کوئی ایسا موثر کارآمد فراہم نہیں کرتی جس کی مدد سے ناقص تصورات کو مناسب نظریات میں بدلا جا سکے۔

منہاجی برتری سائنسی دعووں کو زیادہ قابلِ قبول تو بنا سکتی ہے لیکن حقیقت کی 'مقدار' میں اضافہ کا باعث نہیں بن سکتی۔ چنانچہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے حقیقت سے قریب ہو جانے کا نظریہ محض بہتر سائنسی علم کی سند کے طور پر ہی مانا جا سکتا ہے۔

اگر منطقی طور پر سائنسی ارتقا کے نتیجے میں سائنسی علم کی حقیقت میں اضافے کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح

سے عقلی قیاس Rational Presumption کی نتائجی فعالیت Pragmatic efficacy کے متبادل نظریے پر غور کرنا چاہیے۔ مناہجِ دستور العمل اور سوادِ حقیقت Truth content کے درمیان خلیج (جس کی طرف ولیم جیمز نے اشارہ کیا ہے) کو کسی نہ کسی طرح پاٹنا پڑے گا۔ لیکن جیمز W. James اس تفاوت کو محض عملی تناظر میں دیکھنے کا عادی ہے اور اس طرح علمی و منطقی پہلو کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس دعویٰ حقیقت کے بارے میں انتہا پسندانہ نظری طریقِ کار کا ماحصل ایک مکمل تشکیلی نقطۂ نظر ہی ہو سکتا ہے۔ دراصل نظریہ اور عمل کے درمیان ابدی تا ئیدی بُعد Evidence gap اس نقطۂ نگاہ کی تائید کرتا ہے کہ سائنسی ترقی کے نتیجے میں سائنسی دعووں کی سچائی میں اضافہ ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی ایک زیادہ مستحکم عقلی قیاس سے زیادہ کوئی بنیاد فراہم کرنے کے قابل نہیں۔

سائنسی ترقی کا ایک مستند تصور دراصل عقلی سطح پر اس کی کامیاب عملی نتائجیت کا مرہونِ منت ہے جس میں سائنس کا زیادہ سے زیادہ میلان ماحول پر اختیار حاصل کرنے اور مسائل کا حل تلاش کرنے کی طرف نظر آتا ہے۔ سائنس کا نتائجی پہلو اس کے نظری اور عملی سطح پر تسلسل کی کمی کی تلافی کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ ٹیکنالوجی کے میدان میں سائنس کے اس طرزِ عمل کے باوصف بدلتے تناظر کے باوجود اس میں ہمہ جہتی وسعت اور ادق مسائل کا حل پیش کرنے کی استطاعت کا حقہٗ موجود ہے۔ سائنس کے ان عملی کارناموں میں ترقی کا ایک واضح تصور بھی نمو پاتا نظر آتا ہے۔ اس نقطہ پر سائنسی توافق کا فلسفے میں اختلافی مسائل کے لامتناہی سلسلوں کے ساتھ تقابل بڑا معنی خیز ہے۔ اسی حوالے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ سائنسی ترقی کا دعویٰ دریافت شدہ حقیقت کی سچائی کے مقابلے میں نتائجی تناظر میں زیادہ عقلی اور یقینی طور پر ثابت کیا جا سکتا ہے۔